قرآنیات

البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانبیاء

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ اَفَاۡئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ﴿۳۴﴾ كُلُّ
نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ﴿۳۵﴾

(یہ تم کو نہیں مانتے، اِس لیے کہ تمھیں بھی ایک دن مرجانا ہے)۔ تم سے پہلے بھی، (اے پیغمبر)، ہم نے کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، تو کیا اگر تم مر گئے تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں[۲۱۵]؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور (یہ اپنی حیثیت پر اترائیں نہیں)، ہم اچھے اور برے حالات سے تم لوگوں کو آزما رہے ہیں، پرکھنے کے لیے اور (ایک دن) تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے[۲۱۶]۔ ۳۴-۳۵

۲۱۵؎ مطلب یہ ہے کہ جب خود بھی فانی ہیں تو آخر رسول کے بارے میں کیوں چاہتے ہیں کہ اُسے غیر فانی ہونا چاہیے۔

۲۱۶؎ یعنی یہ خیال نہ کریں کہ اِن کے اچھے حالات اِن کا ذاتی استحقاق ہیں اور اِس کی بنا پر اب نبوت بھی

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ

یہ منکرین جب تم کو دیکھتے ہیں تو اِس کے سوا کچھ نہیں کرتے کہ تمھیں مذاق بنا لیتے ہیں۔ (کہتے ہیں[۲۱۷]): اچھا یہی ہے جو تمھارے معبودوں کی ہجو کرتا ہے[۲۱۸] اور اپنا حال یہ ہے کہ یہ خود خداے رحمٰن کے ذکر ہی کے منکر ہیں[۲۱۹]۔ ۳۶

(یہ عذاب کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ) انسان عجلت کے خمیر سے پیدا ہوا ہے۔ میں عنقریب اپنی نشانیاں تمھیں دکھاؤں گا، اِس لیے مجھ سے جلدی نہ مچاؤ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا، اگر تم سچے ہو؟ اے کاش، اِن منکروں کو اُس وقت کی خبر ہوتی، جب یہ

اِنھیں ہی ملنی چاہیے تھی، لہٰذا مال و دولت اور عزوجاہ میں فروتر کسی شخص کو یہ خدا کا پیغمبر کیوں مانیں، بلکہ اِس بات کو سمجھیں کہ اِس دنیا میں غربت و امارت اور رنج و راحت، سب امتحان کے لیے ہے۔ اِن میں سے کوئی چیز بھی کسی کا ذاتی استحقاق نہیں ہے۔

۲۱۷ یعنی تحقیر کے انداز میں کہتے ہیں۔

۲۱۸ اصل میں 'يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں ضمیر خطاب اپنے عوام کو بھڑکانے کے لیے ہے، ورنہ موقع کلام کا تقاضا تھا کہ 'یذکر الھتنا' کہا جاتا اور 'ذِکر' سے مراد برائی کے ساتھ ذکر کرنا ہے۔ یہ اسلوب بتا رہا ہے کہ 'يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ' کے بعد 'بالسوء' کا لفظ وہ اپنے معبودوں کے لیے غیرت و حمیت کی بنا پر حذف کر دیتے تھے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، گویا اپنے بتوں کے لیے برائی کا لفظ زبان پر لانا اُنھیں بطورِ نقلِ کفر بھی گوارا نہیں تھا۔

۲۱۹ یعنی اپنے ٹھیرائے ہوئے معبودوں کے لیے تو ایسی غیرت و حمیت رکھتے ہیں، مگر معبودِ حقیقی کے معاملے میں حال یہ ہے کہ اُس کے ذکر کے بھی روادار نہیں ہیں۔

عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي

دوزخ کی آگ کو نہ اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے، نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ اِن کو کہیں سے مدد پہنچے گی۔ یہ مصیبت بتا کر نہیں آئے گی،[۲۲۰] بلکہ اِن پر اچانک آ موجود ہوگی اور اِنھیں مبہوت کر دے گی۔ پھر نہ اُس کو دفع کر سکیں گے اور نہ اِنھیں مہلت ہی دی جائے گی۔ ۳۷-۴۰

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تم سے پہلے بھی، (اے پیغمبر)، رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے۔ پھر جنھوں نے اُن کا مذاق اڑایا تھا، اُن کو اُسی چیز نے گھیر لیا، جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ اِن سے پوچھو، (اگر وہی چیز تمھیں آ گھیرے تو) رات اور دن میں کون خداے رحمٰن سے تمھاری حفاظت کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں، بلکہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی یاددہانی سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ کیا اِن کے لیے ہمارے سوا کچھ اور معبود ہیں جو اِن کو بچا لیں گے؟ (ہرگز نہیں)، وہ نہ خود اپنی مدد کر سکیں گے اور نہ ہمارے مقابل میں کوئی اُن کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ۴۱-۴۳

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اِن کو اور اِن کے باپ دادا کو دنیا سے بہرہ مند کیا، یہاں تک کہ اِن پر ایک لمبی مدت اِسی حال میں گزر گئی۔[۲۲۱] تاہم، کیا یہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ اِس سرزمین کو ہم

۲۲۰؎ یعنی روزِ قیامت کی مصیبت جس کا ذکر پچھلے جملے سے مفہوم ہو رہا ہے۔

۲۲۱؎ یہ اُن کے اعراض و استکبار کے اصل سبب سے پردہ اٹھایا ہے کہ عزت و اقتدار اور خوش حالی کی سرمستی

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اِس کے کناروں سے کم کرتے ہوئے اِس کی طرف بڑھ رہے ہیں[222]؟ پھر کیا یہی غالب رہنے والے ہیں[223]؟ ۴۴

اِن سے کہو، میں بس وحی کے ذریعے سے تم کو متنبہ کر رہا ہوں ـــــ مگر (یہ بہرے ہیں اور) بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے، (اے پیغمبر)، جب اُنھیں خبردار کیا جائے۔ (اِس وقت تو یہ مطالبے کر رہے ہیں اور اُدھر) واقعہ یہ ہے کہ تمھارے پروردگار کے عذاب کا کوئی جھونکا بھی اِنھیں چھو جائے تو پکار اُٹھیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی! بے شک، ہم ہی ظالم تھے۔ ۴۵-۴۶

(اِنھیں بتاؤ کہ) روزِ قیامت کے لیے ہم انصاف کی ترازو رکھ دیں گے۔ پھر کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اُس کو لا موجود کریں گے[224]۔ اور ہم (لوگوں کا) حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔ ۴۷

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں ایک مدت گزارنے کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور اِن کا یہی زعم خدا کے پیغمبر سے اِن کی بے پروائی کا باعث بن گیا ہے۔

۲۲۲؎ یعنی سرزمینِ حرم کو۔ یہ اُن فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کی دعوت کو مکہ کے اطراف میں حاصل ہو رہی تھیں۔ خدا نے اِسے اپنے اقدام سے تعبیر فرمایا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی نشانی ہی دیکھنا چاہتے ہیں تو اِس نشانی کو کیوں نہیں دیکھتے جو اِن کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہو رہی ہے کہ ہماری دعوت کے آثار گردوپیش کے قبائل میں پھیلتے جا رہے ہیں، اِن کا دائرہ تنگ ہو رہا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اِن کا یہ شہر بھی ایک دن اِس دعوت کی یلغار سے اِسی طرح مفتوح ہو جائے گا۔

۲۲۳؎ یعنی غلبۂ حق کے اِن آثار کو دیکھنے کے بعد بھی کیا اِن کا گمان ہے کہ یہی غالب رہیں گے؟

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکۡرًا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِیۡنَ
یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَیۡبِ وَهُمۡ مِّنَ السَّاعَةِ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾
وَهٰذَا ذِکۡرٌ مُّبٰرَکٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۵۰﴾
وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَآ اِبۡرٰهِیۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَکُنَّا بِهٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖ

ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور خدا ترسوں کے لیے ایک روشنی اور یاددہانی عطا فرمائی تھی،[۲۲۵] جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا خطرہ رکھنے والے ہیں۔[۲۲۶] ۴۸-۴۹

اُسی طرح یہ قرآن بھی ایک بابرکت یاددہانی ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے، پھر کیا تم لوگ اِس کے منکر ہی بنے رہو گے؟ ۵۰

اِس سے پہلے ابراہیم کو بھی ہم نے (اُس کے شایانِ شان) اُس کے حصے کی[۲۲۷] ہدایت عطا کی تھی اور ہم اُس کو خوب جانتے تھے۔[۲۲۸] جب اُس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

۲۲۴۔ اصل الفاظ ہیں: 'وَاِنۡ کَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ، اَتَیۡنَا بِهَا'۔ اِن میں 'کَانَ' کا اسم ہمارے نزدیک بربنائے قرینہ محذوف ہے اور 'بِهَا' میں ضمیرِ مونث لفظِ 'حَبَّة' کی مناسبت سے آگئی ہے۔

۲۲۵۔ یعنی تورات جو حق و باطل کا فرق دکھانے والی کسوٹی تھی، جس سے فکر و عمل کی تاریکیوں میں ہدایت و معرفت کی روشنی حاصل ہوتی تھی اور جس میں اُن سب حقائق کی یاددہانی کرائی گئی جو اِس وقت زیر بحث ہیں۔

۲۲۶۔ اِس لیے کہ انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے جو ہدایت نازل کی جاتی ہے، اُس سے وہی نفع اٹھا سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے بے خوف ہے اور اپنے انجام کا بھی کوئی اندیشہ نہیں رکھتا تو اِس ہدایت سے اُس کو کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ نافع اُنھی کے لیے ہوتی ہے جو خدا اور آخرت کے بارے میں اپنی فطرت کے الہام کو سنتے اور سنجیدگی کے ساتھ اُس پر غور کرتے رہتے ہیں۔

۲۲۷۔ اصل میں لفظِ 'رُشۡدَهٗ' آیا ہے۔ اِس کی اضافت سے اِس کے اندر ایک خاص امتیاز کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے، یعنی ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت و معرفت عطا ہوئی جو اُسی کے درجے اور مرتبے کے کسی شخص کو ملنی چاہیے۔

۲۲۸۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دیا تھا، یوں ہی نہیں دیا تھا، اُس کو خوب جانچ اور پرکھ کر اور اپنے اُس علم کے

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِىۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ﴿۵۲﴾قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيۡنَ ﴿۵۳﴾
قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۴﴾قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ
اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ ﴿۵۵﴾قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الَّذِىۡ فَطَرَهُنَّ

یہ کیا مورتیں ہیں جن سے تم لگے بیٹھے ہو؟[229] اُنھوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے باپ دادا کو اِنھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ اُس نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمھارے باپ دادا بھی ایک کھلی گم راہی میں پڑے رہے ہو۔[230] اُنھوں نے پوچھا: کیا ہمارے پاس سوچی سمجھی بات لے کر آئے ہو یا ہنسی مسخری کر رہے ہو؟[231] اُس نے کہا: نہیں، بلکہ تمھارا پروردگار وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا

مطابق دیا تھا جو ہم اُس کے بارے میں رکھتے تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ’’...اِس فقرے میں اُن لوگوں پر تعریض بھی ہے جو اپنے اندر ہمت تو حضرت ابراہیم کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت پر عمل کرنے کی بھی نہیں رکھتے تھے، لیکن اُن کے ساتھ نسبت کے دعوے دار اور اِس نسبت کے بل پر اپنے آپ کو دنیا اور آخرت، دونوں میں بڑے سے بڑے مرتبے کا حق دار سمجھے بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ خدا کے ہاں اِس غلط بخشی کی گنجایش نہیں ہے۔ وہ جس کو اپنی معرفت و حکمت بخشتا ہے، اُس کے ظرف اور اُس کے حوصلہ کو دیکھ کر بخشتا ہے۔‘‘ (تدبر قرآن ۵/۱۵۸)

۲۲۹؎ ابراہیم علیہ السلام کے عنفوانِ شباب کا یہ واقعہ اُسی ہدایت و معرفت کا اظہار ہے جو اُن کو عطا ہوئی تھی۔ اُن کی قوم بت پرست اور باپ بت خانے کا پروہت تھا، لیکن آگے جو کچھ بیان ہوا ہے، اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی سے وہ توحید کے معاملے میں کیسا شرحِ صدر رکھتے تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ’’...اِس فقرے میں اِن بتوں کے لیے جو استخفاف و تحقیر ہے اور لفظ ’عٰكِفُوۡنَ‘ میں باپ اور قوم کی بلادت اور اُن کے جمود پر جو طنز ہے، وہ عربی زبان کا ذوق رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ اِس عمر میں اور ایسے ماحول کے اندر یہ نعرۂ حق وہی بلند کر سکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ توفیقِ خاص سے نوازے اور جس کے ایمان کی سطوت و جلالت ہر خوف اور ہر طمع سے بالکل بے پروا و بے نیاز ہو۔‘‘ (تدبر قرآن ۵/۱۵۸)

۲۳۰؎ مطلب یہ ہے کہ کوئی ضلالت مجرد اِس دلیل سے ہدایت نہیں بن جاتی کہ وہ باپ دادا کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ علم و عقل کا قطعی فیصلہ یہی ہے کہ جو کچھ کر رہے ہو، وہ ایک کھلی گم راہی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمۡ مِّنَ الشّٰھِدِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیۡدَنَّ اَصۡنَامَکُمۡ بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَھُمۡ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیۡرًا لَّھُمۡ لَعَلَّھُمۡ اِلَیۡہِ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۸﴾
قَالُوۡا مَنۡ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَاۤ اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًی یَّذۡکُرُھُمۡ

پروردگار ہے، جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں (تمھارے سامنے) اُس پر گواہی دے رہا ہوں۔[۲۳۲] ـــــ (پھر اپنے دل میں کہا): خدا کی قسم، جب تم پیٹھ پھیر کر جا چکو گے تو میں تمھارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک چال کروں گا۔[۲۳۳] چنانچہ (وہ چلے گئے تو) ابراہیم نے اُن سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اُن کے ایک بڑے کے سوا تاکہ وہ اُسی کی طرف رجوع کریں۔[۲۳۴] ۵۱-۵۸

(اُنھوں نے آ کر بتوں کی یہ حالت دیکھی تو) کہنے لگے: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟[۲۳۵] یقیناً وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے ایک نوجوان کو اِنھیں

۲۳۱؎ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اُنھیں یقین نہیں ہوا کہ اِس طرح کی بات کوئی شخص سوچ سمجھ کر بھی کہہ سکتا ہے۔

۲۳۲؎ یعنی اُس کا اعلان کر رہا ہوں اور تمھیں بھی اُس کی دعوت دیتا ہوں۔ آیت میں لفظِ 'شہادت' دعوت اور اعلان کے معنی میں ہے اور قرآن میں یہ لفظ اِس معنی میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔

۲۳۳؎ اِس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعوت بت خانے کے اندر کسی اجتماع کے موقع پر دی، اور اُسی وقت ارادہ کر لیا کہ اب وہ عملاً بھی اُنھیں دکھا دیں گے کہ یہ بت کتنے بے حقیقت ہیں۔ اِس کے لیے جو اسکیم اُنھوں نے اپنے ذہن میں تیار کر رکھی تھی، اُسی کو آیت میں لفظِ 'کَیۡد' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۳۴؎ یعنی اگر اُن سے باز پرس کی جائے تو کہہ سکیں کہ اپنے اِسی بڑے سے پوچھ لو کہ اُس نے یہ سب کیوں کیا ہے اور اُن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے کہ اُسی کی طرف رجوع کریں یا اعتراف کر لیں کہ جن کو وہ خدا بنائے بیٹھے ہیں، وہ اتنے بے بس ہیں کہ نہ اپنے اوپر آئی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ مصیبت کس کے ہاتھوں آئی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ طریقہ نہی عن المنکر کے لیے نہیں، بلکہ اپنے خاص طریقے پر استدلال کے لیے اختیار کیا ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

۲۳۵؎ یعنی پہلے حیرت اور پریشانی کے عالم میں یہ سوال کیا، پھر غصے میں آ کر وہ بات کہی جو اگلے جملے میں

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾
قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کچھ برا کہتے ہوئے سنا تھا،[236] جس کو ابراہیم پکارتے ہیں۔[237] اُنھوں نے کہا: تو اُس کو سب لوگوں کے سامنے حاضر کرو تاکہ وہ بھی دیکھ لیں۔[238] (چنانچہ ابراہیم لائے گئے تو) اُنھوں نے پوچھا: ابراہیم، یہ حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ تمھی نے کی ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا: بلکہ اِن کے اِس بڑے نے کی ہوگی۔ تو اِنھی سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہوں۔[239] اِس پر اُن کو اپنے باطن کی طرف ذرا تنبہ ہوا اور اُنھوں نے ایک دوسرے سے کہا: حقیقت میں تم ہی ظالم ہو۔[240]

بیان ہوئی ہے کہ جس نے بھی یہ حرکت کی ہے، وہ بڑا ہی ظالم ہے۔

۲۳۶؎ اصل میں 'يَذْكُرُهُمْ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کے بعد بھی 'بالسوء' کا لفظ اُسی طرح محذوف ہے، جس طرح آیت ۳۶ میں ہے۔ اِس کی بلاغت ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں۔

۲۳۷؎ اِس جملے کا اسلوب بتا رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ابھی اتنے روشناس نہیں ہوئے تھے کہ ایک ایک شخص اُن سے واقف ہو گیا ہو۔ اُن کی باتیں ضرور لوگوں کے کانوں میں پڑ چکی تھیں، لیکن ابھی وہ اُن کی طرف کچھ زیادہ متوجہ نہیں تھے۔ بت خانے میں اجتماع کے موقع پر اُنھوں نے جو کچھ کہا تھا، وہ اگرچہ سب کے سامنے اور ڈنکے کی چوٹ کہا تھا، مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اُسے نوجوانی کی ترنگ اور جسارت پر محمول کیا اور اُس پر متنبہ ہو کر اپنے بتوں کی حفاظت کے اقدامات نہیں کیے۔ اُن کا خیال یہی رہا ہوگا کہ اِس نے ایک بات کر دی ہے۔ اِس سے آگے یہ ہمارے بتوں کے خلاف کسی اقدام کی جسارت نہیں کر سکتا۔

۲۳۸؎ مدعا یہ تھا کہ ہم اگر اُس کے خلاف کوئی فتویٰ دیں یا کارروائی کریں تو اُس پر گواہ رہیں کہ ہم نے فی الواقع ایک مجرم کو سزا دی ہے اور اُس کی سزا عبرت کی موجب بھی ہو۔ اُس زمانے میں اِس طرح کے جرائم کی سزائیں بالعموم مذہبی پیشوا ہی سناتے تھے، بلکہ اکثر اِس کے مجاز بھی ہوتے تھے کہ خود ہی اِن کا نفاذ بھی کر دیں۔

۲۳۹؎ اِس فقرے میں نہ خوف کا کوئی شائبہ ہے، نہ اِسے جھوٹ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے اِسے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

لیکن پھر اوندھے ہو گئے[۲۴۱] اور بولے: تمھیں معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں[۲۴۲]۔ ابراہیم نے کہا: پھر کیا اللہ کے سوا اُن چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تمھیں نہ کوئی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان؟ تف ہے تم پر اور اُن پر بھی جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ پھر کیا سمجھتے نہیں ہو[۲۴۳]؟ ۵۹-۶۷

خوف یا کذب پر محمول کیا ہے، اُن کے بارے میں اِس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ سخن شناس نہ ای دلبرا خطا ایں جاست۔ اِس کو اگر تعبیر کر سکتے ہیں تو استاذ امام کے الفاظ میں، ایک لطیف طنز، ایک پر معنی استہزا اور ایک حکیمانہ استدراج سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فقرہ ہزار تقریروں پر بھاری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام جو کچھ کہنا چاہتے تھے، وہ اُنھوں نے بالکل ممثل کر کے دکھا دیا ہے کہ جن کو معبود سمجھتے ہو، اُن کی بے بسی دیکھ لو اور یہ بھی دیکھ لو کہ اگر کائنات میں بہت سے خدا ہوتے تو اُن کا کوئی بڑا بھی اِسی طرح چھوٹے خداؤں کی کسی بات پر بگڑ کر سب کا کچومر بنا ڈالتا۔ یہ حکیمانہ استدلال و استدراج اور شرک اور اہلِ شرک کی تفضیح و تضحیک کا ایسا اسلوب ہے کہ اِس کی شاید ہی کوئی دوسری مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

۲۴۰؎ مطلب یہ ہے کہ تم بتوں کے توڑنے والے کو ظالم کہہ رہے تھے، لیکن اِس نوجوان نے جس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے، اُس سے تو یہی واضح ہو رہا ہے کہ ظالم وہ نہیں، بلکہ ظالم تم خود ہو جو اِن گونگے اور بہرے پتھروں کو معبود بنائے بیٹھے ہو۔

۲۴۱؎ یعنی ذرا دیر کے لیے اُنھوں نے آنکھیں کھولیں، لیکن اِس کے بعد فوراً ہی عصبیت کے جذبات ابھر آئے اور اُن پر جہالت سوار ہو گئی، جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ آدمی کی عقل اوندھ جاتی ہے۔

۲۴۲؎ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم اپنے حریفوں کو لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے لا کھڑا کیا اور وہ اعتراف شکست کے لیے مجبور ہو گئے۔

۲۴۳؎ ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا، اِسی حقیقت کی تبلیغ کے لیے کیا تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یہ تقریر، ظاہر ہے کہ بتوں کی بے بسی کو اِس طرح آشکارا کر دینے کے بعد جتنی موثر ہو سکتی تھی، اُس کے بغیر

قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۶۸﴾ قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ﴿۷۰﴾

وَنَجَّيۡنٰهُ وَلُوۡطًا اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِيۡنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ

(اِس پر) وہ بولے کہ اگر کچھ کرنے کا ارادہ ہے تو اِس کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔[۲۴۴] (چنانچہ ابراہیم کو آگ میں جھونک دیا گیا، تب) ہم نے حکم دیا کہ اے آگ، تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا۔[۲۴۵] اُنھوں نے چاہا تھا کہ (ابراہیم سے نجات کے لیے) اُس کے ساتھ ایک چال چلیں،[۲۴۶] مگر ہم نے اُن کو بری طرح ناکام بنا دیا۔ ۶۸-۷۰

اور اُس کو اور (اُس کے بھتیجے) لوط کو بچا کر ہم اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے، جس میں ہم نے دنیا والوں کے لیے برکتیں رکھی تھیں۔[۲۴۷] اور (اُس کی قربانیوں کے صلے میں) ہم نے اُس کو اسحٰق عطا فرمایا[۲۴۸] اور اُس پر مزید یعقوب بھی، اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا۔ اور ہم نے اُن کو امامت

اتنی موثر نہیں ہو سکتی تھی۔ اِس کے بغیر اگر یہی بات اُن کے سامنے لائی جاتی تو وہ اِس کے جواب میں سو باتیں بنا سکتے تھے، لیکن اب جب کہ وہ پاش پاش ہو کر سامنے پڑے ہوئے اپنی زبان حال سے اپنی بے حقیقتی اور بے بسی کی کہانی خود ہی سنا رہے تھے تو اُن کے پجاری اُن کی حمایت میں کیا چیز پیش کر سکتے تھے؟'' (تدبر قرآن ۵/ ۱۶۴)

۲۴۴۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اِس وقت اِس فتنے کا سدِ باب نہ کیا گیا تو آبا و اجداد کا دین تباہ ہو کر رہ جائے گا، اِس لیے ابھی اٹھو اور اپنے معبودوں کی حمایت میں اِس نوجوان کا خاتمہ کر دو۔ اِس سے کم کوئی دوسری تجویز موثر نہ ہو گی۔ اِس وقت یہی ایک طریقہ ہے، جس سے ہم دین کو بچا سکتے ہیں۔

۲۴۵۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس کے رسول اپنے دشمنوں سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ یہ اُسی وعدے کا ظہور تھا، جس کے تحت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو گلزار بنا دیا گیا۔

۲۴۶۔ یہ کیا چال تھی؟ سورۂ صافات (۳۷) کی آیت ۹۸ کے تحت ہم اِن شاء اللہ اِس کی وضاحت کریں گے۔

۲۴۷۔ یہ ارضِ کنعان کی طرف اشارہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش دو ہزار سال تک اپنی دعوت کے لیے خاص

اِلَیۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیۡتَآءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ﴿۷۳﴾
وَلُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا وَّنَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ
اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾
وَنُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾

عطا فرمائی[۲۴۹] کہ ہماری ہدایت کے مطابق (دنیا والوں کی) رہنمائی کرتے تھے اور اُن کو نیک کام کرنے اور نماز کا اہتمام رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری بندگی کرنے والے تھے۔ ۷۱-۷۳

ہم نے لوط کو بھی حکم اور علم عطا فرمایا تھا[۲۵۰] اور اِسی طرح اُس کو بھی اُس بستی سے نجات دی تھی جہاں کے لوگ بدکاریاں کرتے تھے[۲۵۱]۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے ہی برے، نا ہنجار لوگ تھے۔ اور (دنیا اور آخرت، دونوں کے اندر) اُس کو ہم نے خاص اپنی رحمت میں داخل کیا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ صالح لوگوں میں سے تھا۔ ۷۴-۷۵

یہی معاملہ ہم نے نوح کے ساتھ کیا تھا[۲۵۲]۔ یاد کرو، اِن سب لوگوں سے پہلے جب اُس نے پکارا[۲۵۳] تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی اور اُسے اور اُس کے لوگوں[۲۵۴] کو بڑی مصیبت سے نجات بخشی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیے رکھا۔ اِس کی برکتوں سے مراد وہی دعوت وہدایت ہے جو اِس سرزمین سے دنیا والوں کے لیے عام کی گئی۔

۲۴۸۔ قرآن میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق اُن کے بڑے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے صلے میں ملے تھے۔

۲۴۹۔ یعنی بنی اسرائیل کی امامت جو ان انبیا علیہم السلام کی قیادت میں دنیا والوں پر دینِ حق کی شہادت کے لیے منتخب کیے گئے تھے۔

۲۵۰۔ یعنی صحیح قوتِ فیصلہ اور علمِ نبوت۔ پہلی چیز عقل وفطرت کی پاکیزگی اور دوسری وحیِ الٰہی کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۵۱۔ یہ امرد پرستی اور اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خبائث وفواحش کی طرف اشارہ ہے، جس میں قومِ لوط مبتلا تھی۔

۲۵۲۔ آیت میں لفظ 'نُوۡح' منصوب ہے۔ اِس کا نصب اُس مفہوم سے پیدا ہوا ہے جو سلسلۂ کلام سے مستفاد ہو

وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۷۷﴾

اور اُس کی مدد میں اُن لوگوں سے انتقام لیا[۲۵۵] جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا۔ یقیناً وہ بڑے ہی برے لوگ تھے، سو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا[۲۵۶]۔ ۷۶-۷۷

رہا ہے۔

۲۵۳؎ یہ اُس دعا کی طرف اشارہ ہے جو حضرت نوح نے ایک مدت دراز تک اپنی قوم کو دعوت دینے کے بعد بالآخر تھک کر مانگی تھی۔ سورۂ نوح (۷۱) میں یہ دعا تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

۲۵۴؎ اصل میں لفظ ’اَهۡل‘ استعمال ہوا ہے۔ یہ کسی شخص کے اہلِ خانہ اور اتباع و احباب، سب کے لیے آ جاتا ہے۔ یہاں بھی اِسی مفہوم میں ہے۔

۲۵۵؎ اصل الفاظ ہیں: ’وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‘۔ اِن میں ’نَصَرۡنَا‘ کے بعد ’مِنۡ‘ اِس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں یہ لفظ ’انتقمنا‘ کے مفہوم پر متضمن ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۲۵۶؎ یعنی کم و بیش ساڑھے نو سو برس کی دعوت اور اتمامِ حجت کے بعد بھی جب ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو بالآخر غلاظت کے اِس ڈھیر سے اپنی زمین کو دھو کر پاک کر دیا۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org